© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

اللہ اکبر! کیسا انقلاب سا انقلاب ہے۔ کچھ زیادہ نہیں اب سے تین چار برس پہلے عید بقرعید آتی تھی تو ہفتوں پہلے سے گھر گھر میں اس کی خوشیاں شروع ہو جاتی تھیں۔ بڑے چاؤ چوچلے سے اس کی تیاریاں کی جاتی تھیں۔ بچے اور بچیاں، مرد اور عورت، بوڑھے اور جوان سب مل کر اپنی اپنی حیثیت اور بساط کے مطابق عید منانے اور اس کی خوشی رچانے کا اہتمام و انتظام کرتے تھے۔ لیکن ایک آج کا دن ہے کہ بقرعید قریب آئی اور مسلمانوں پر سہم چڑھنا شروع ہوا۔ ننھے ننھے بچے اور بچیاں تو شاید اب بھی اسی طرح دل سے عید کا استقبال کرتے ہوں کیونکہ ان غنچہ ہائے نوشگفتہ کو اس کا کیا احساس کہ انھوں نے جس چمن میں آنکھ کھولی ہے اب اس کی آب و ہوا بدل چکی اور جس ماحول میں قدرت نے انھیں پیدا کیا ہے اب اس کے زمین و آسمان کا وہ پہلا سا رنگ باقی نہیں رہا۔ لیکن بہرحال بوڑھے اور جوان مردوں اور عورتوں کا عالم یہ ہوتا ہے کہ بقرعید کا چاند نظر آنے کے بعد سے ہی ان کے دلوں کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے اور وہ بارگاہ ایزدی میں قلب و روح کی پوری نیازمندیوں کے ساتھ دعائیں کرتے ہیں کہ الٰہی جان و مال کی خیر رہے عزت و آبرو پر آنچ نہ آئے اور یہ مقدس تہوار خیریت و عافیت کے ساتھ بیت جائے۔" کروڑوں مسلمانوں نے ہر سال کم از کم بارہ مرتبہ چاند دیکھ کر رویت ہلال کی مشہور دعا "اللھم اھلہ علینا بالامن والامان والسلامۃ والاسلام" بیسیوں بار پڑھی ہوگی مگر انھیں یہ آج ہی معلوم ہوا ہوگا کہ پیغمبر صادق و مصدوق نے جو "امن" "امان" "سلامت" اور "اسلام" ان چار چیزوں کی دعا مانگنے کی تلقین فرمائی تھی تو ان کی زندگی میں کیا اہمیت اور کتنی ضرورت ہے۔ حکومت کی طرف سے پیش بندی کے طور پر جگہ جگہ شہری اور فوجی پولس کے پہرے ہوتے ہیں ہتھیار بند گارد پیدل اور سوار گشت کرتی رہتی ہے لیکن حفاظت و انتظام کے اس ساز و سامان کو دیکھ کر مسلمان کی ضرورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حمید کے چہرہ پر احساس حزن والم کی ایک اور شکن پڑ جاتی ہے اور وہ سوچنے لگتا ہے کہ یہ چیزیں تو بدیسی راج کی نشانی ہیں آج جب کہ میرا وطن آزاد ہے تو کیا پھر بھی اس کی ضرورت ہے کہ اپنے گھر ہی میں اپنا مذہبی تہوار سنگینوں اور بندوقوں کے پہرہ کے بغیر نہ مناؤں ۔ دل کا ہاتف اندر سے کہتا ہے کہ ان پہروں کے بعد بھی تو امن و سلامتی کے ساتھ اپنا تہوار منالے تو نبا غنیمت جان اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کر۔

اس نفسیاتی اُلجھن اور بیم ورجا کی اس جاں گداز کشمکش کا اصل باعث گائے کی قربانی کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ ہمیشہ سے ہندوستان کی دو بڑی قوموں میں کشیدگی اور کشاکش کا سبب بنا رہا ہے اور اب ملک کی تقسیم جن حالات میں ہوئی ہے ان کی وجہ سے اس کی نزاکت اور بھی بڑھ گئی ہے چونکہ یہ خالص مذہبی معاملہ ہے اس لئے علمار کا فرض تھا کہ تقسیم کے بعد ہی فوراً اس کے متعلق کوئی متفقہ فیصلہ کر کے مسلمانوں کی رہنمائی کرتے تاکہ گومگو کے عالم میں رہنے کے باعث جان و مال کا جو خسارہ برداشت کرنا پڑ رہا ہے اس سے نجات ملتی اور صورت حال کا کوئی خوشگوار حل نکل سکتا لیکن افسوس کہ علمار نے ایسا نہیں کیا۔ اور اب ایک ایسا مرحلہ آگیا ہے کہ اگر ان کی خموشی کا یہی عالم رہا تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے نتائج کتنے خطرناک اور افسوسناک ہوں گے ۔

جہاں تک اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے یہ ظاہر ہے کہ گائے کی قربانی نہ فرض ہے اور نہ واجب بلکہ مباح ہے۔ جس میں اقدام اور ترک کرنے اور نہ کرنے دونوں کا اختیار ہوتا ہے پھر اس میں شبہ نہیں کہ کبھی خارجی اور سیر دینی حالات کے باعث کسی امر مباح کا کرنا واجب بھی ہو جاتا ہے اور کبھی ممنوع بھی اور ان حالات کی تشخیص و تعیین اگر مسلمانوں کی حکومت ہو تو حکومت کا بمشورہ علمار ورنہ صرف علمار کا کام ہے مثلاً اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ شادی کرنا اسلام میں مباح ہے لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ایک صحابی کے متعلق معلوم ہوا کہ انہوں نے ایک کتابیہ عورت سے شادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرلی ہے تو آپ نے ان کو بلا کر ڈانٹا اور حکم دیا کہ طلاق دو" جب اس صحابی نے کہا کہ کیا یہ عورت کے ساتھ شادی کرنا ناجائز تو نہیں ہے" تو شریعت اسلام کے اس سب سے بڑے شناس و حکیم نے فرمایا کہ اگر تم لوگ اسی طرح غیر ملکی عورتوں سے شادی کرنے لگے تو عرب کی ان دوشیزہ لڑکیوں کا کیا حشر ہوگا! اسی کے ساتھ ایک دوسرا واقعہ حضرت عمر ثانی کے عہد کا سنئے ظاہر ہے کہ ختنہ سنت موکدہ اور اسلامی شعار ہے لیکن اس کے باوجود حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے مختصر عہد خلافت میں جب اہل ذمہ کثرت سے مسلمان ہونے لگے تو مروانی عمال وحکام جو جزیہ کے لالچ سے اس کو پسند نہیں کرتے تھے انھوں نے شکایت کی کہ یہ لوگ دل سے مسلمان نہیں ہو رہے ہیں اور دلیل یہ ہے کہ یہ زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں مگر ختنہ نہیں کراتے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا "یہ ابھی نئے نئے مسلمان ہیں جب اسلام ان کے دلوں میں رچ بس جائے گا تو یہ خود ختنہ کرائیں گے یہ دو واقعات یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ صرف مباح کا اخذ یا ترک ہی کبھی واجب یا ممنوع نہیں ہوتا بلکہ کسی اسلامی شعار کو بھی کسی خارجی اور وقتی مصلحت کی بناء پر ہنگامی اور عارضی طور پر نظر انداز کیا جا سکتا ہے حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں خصوصاً اور دوسرے خلفاء کے دور میں عموماً اس قسم کے اجتہادات کی مثالیں کثرت سے ملیں گی لیکن اس موقع پر ان کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔"

اب موجودہ حالات میں گائے کی قربانی کے مسئلہ پر غور کیجئے تو صاف نظر آئے گا کہ اگرچہ اصل مسئلہ کی حیثیت سے گائے کی قربانی مباح ہے لیکن یہاں حالات اس قسم کے ہیں جن کے پیش نظر اس کو واجب بھی کہا جا سکتا ہے اور بالکل نہیں تو کم از کم چند برسوں کے لئے شرعاً اسے ممنوع بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں ہم دونوں قسم کے حالات کی تفصیل بیان کرتے ہیں تاکہ مسئلہ کا ہر پہلو روشن ہو سکے اور وسعت نظر کے ساتھ اس پر غور کیا جا سکے۔

پہلی قسم کے حالات واسباب جو قربانی گاؤ کو واجب قرار دینے کا مطالبہ کر سکتے ہیں یہ ہیں کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھارت کی حکومت ایک سیکولر گورنمنٹ ہے اس کے آئین و دستور کی رو سے اس ملک کے مسلمان بھی یہاں کے ایسے ہی شہری ہیں جیسے کہ ہندو اور اس بنا پر بھارت کا دستور مسلمانوں کے شہری حقوق جن میں ان کے مذہبی اور تمدنی واجبات و مطالبات بھی شامل ہیں ان کی مکمل حفاظت و نگہداشت کا اعلان کرتا ہے اور مسلمانوں نے ملک کے اس دستور کے مطابق ہی اس ملک میں وفادار شہری کی حیثیت سے رہنے کا عہد کیا ہے پس اگر کوئی مقامی حکومت یا کسی جگہ کے عمال و حکام مسلمانوں کو قربانی گاؤ سے جبراً روکتے ہیں تو اگرچہ یہ قربانی اصلاً مباح تھی اور اس بنا پر مسلمانوں کو خود یہ حق حاصل تھا کہ وہ چاہتے تو اس کو ترک کر دیتے لیکن اب جب کہ ملک کے آئین و دستور کے خلاف ان کو جبراً اس سے روکا جاتا ہے تو یہ ان کے شہری حقوق میں مداخلت ہے اور آگے چل کر مداخلت فی الدین کی شکل بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر مسلمانوں کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ مداخلت فی الدین کا مقابلہ کریں اور جو چیز ان سے جبراً ترک کرائی جاتی ہے اس کو عمل میں لاکر مستقبل میں اس نوع کی مداخلت کا سدباب کریں یہاں یہ یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ اس مداخلت کی مقاومت مبنی اس پر ہی ہے کہ ملک کا قانون ان کو ملک کا شہری تسلیم کرتا اور ان کو مذہبی معاملات میں مکمل آزادی دیتا ہے ورنہ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو معاملہ اور مسئلہ کی نوعیت بھی مختلف ہوتی مسلمان کسی حالت میں غدر اور فریب دینے کا مجاز نہیں ہے اگر قانون یہ ہوتا کہ اس ملک میں قربانی نہیں ہو سکتی تو پھر مسلمانوں کو حق تھا کہ وہ اگر اس کو برداشت نہیں کر سکتے تو اس ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں اور اگر وہ اس قانون کے باوجود ملک میں رہنا ہی چاہتے ہیں تو انھیں لامحالہ جب تک اس ملک میں رہیں گے اس کے قانون کی پابندی کرنی ہوگی۔ اسلام میں دوستی اور دشمنی بالکل کھلی ہوئی ہے اور معاہدہ کا پابند رہنا ہر حال میں ضروری ہے مسلمان اگر دشمن سے جنگ بھی کرتا ہے تو پیچھے سے آکر نہیں بلکہ سامنے کھڑے ہو کر اور حریف پنجہ فگن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے دست و بازو کی قوت آزماتا ہے پس یہ وجوہ ہیں جو قربانی گاؤ پر اصرار کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں اور جن کی وجہ سے یہ قربانی اب مباح نہیں بلکہ واجب ہو جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب رہے دوسری قسم کے وجوہ واسباب جن کے پیش نظر اس قربانی کو شرعاً ممنوع ہونا چاہئے وہ یہ ہیں کہ ایک طرف قربانی گاؤ صرف مباح ہے نہ فرض ہے اور نہ واجب اور عرب میں تو عموماً اور حجاز میں خصوصاً اس کا رواج بھی بہت کم ہے اور دوسری جانب صورت حال یہ ہے کہ گائے ہندوؤں کے ہاں مقدس سمجھی جاتی ہے جن پر اس ملک کی عظیم اکثریت شامل ہے اگرچہ ملک کا دستور اس جانور کی قربانی پر کوئی روک ٹوک نہیں کرتا لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب تک ہندو اور مسلمان مخلصانہ دل کی صفائی کے ساتھ مل جل کر نہیں رہیں گے اس وقت تک محض ملک کے قانون کی دفعات کے سہارے مسلمان امن اور عافیت کی زندگی بسر نہیں کر سکتے عام حالات میں بھی ذبح بقر سے برادران وطن کی دل آزاری ہوتی اور اب تو ملک کی تقسیم جس منافرت اور عداوت پر ہوئی ہے اس کی وجہ سے دل آزاری انتہائی اشتعال اور غضب کا باعث بن سکتی ہے اور بن رہی ہے جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر ایک گائے کے ساتھ کئی کئی مسلمانوں کی قربانی ہو جاتی ہے اور ان کو سخت نقصانات سے دوچار ہونا پڑتا ہے قانون اپنی جگہ پر کتنا ہی اچھا اور اس کی قوتِ نفاذ بھی کتنی ہی مضبوط ہو لیکن سوال یہ ہے کہ کیا مسلمان ہندوؤں کے ساتھ خوشگوار تعلقات پیدا کئے بغیر امن اور اطمینان کی زندگی بسر کر سکتے ہیں؟ پس اگر مسلمانوں کا ایک امرِ مباح کو قطعاً ترک کر دینے کا عزم ان کے لئے یہ خوشگوار فضا پیدا کر سکتا یا اس کے پیدا کرنے میں کسی معقول حد تک ممد و معاون ہو سکتا ہے تو بے شبہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ مباح کی ایک جانب ترک کو ایک عظیم ترین منفعت کے خیال سے ترجیح دے کر اس کو اپنے لئے ممنوع کر لیں۔ محض ایک امرِ مباح پر اصرار کرنا درانحالیکہ اس کی وجہ سے شدید ترین جانی ومالی نقصانات پہنچتے ہوں یا ان کے پہنچنے کا امکان غالب ہو اسلامی تعلیمات کی رو سے نہ صرف غیر مستحسن بلکہ ایک قسم کی خودکشی ہے جو اسلام میں قطعاً حرام ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارے بعض دوستوں نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذبح بقر کو شعائر اسلامی میں شمار کیا ہے ہمیں اس سے انکار نہیں کہ حضرت مجدد نے ایسا لکھا ہے لیکن

© rasailojaraid.com

حضرت مجدد کے زمانہ میں اقتدار اعلیٰ مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا۔ اور چونکہ اکبر نے ہندو مذہب کے زیر اثر آجانے کے باعث گاؤکشی کو بالکل ممنوع قرار دے دیا تھا اس بنا پر حضرت مجدد نے "گربہ کشتن بروز اول" کے مطابق اس کے خلاف شدید احتجاج کیا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ بادشاہ نے جس رنگ میں ڈوب کر یہ اعلان کیا ہے اگر اس کو ختم نہیں کرایا گیا تو لازمی طور پر اس کا اثر یہ ہوگا کہ پھر اسلام کے شعائر حقیقی کی بھی خیر نہ ہوگی اور مسلمان اقتدار اعلیٰ کے مالک تھے اس لیے حضرت مجدد کو اس کا بھی اندیشہ نہیں تھا کہ گاؤکشی کی تجدید سے کسی مسلمان کی جان و مال یا اس کی عزت و آبرو پر کوئی حرف آئے گا۔ آج کے حالات اس زمانہ کے حالات کا بالکل عکس ہیں اس بنا پر آج کو کل پر قیاس کر کے کسی مسئلہ کا فیصلہ کرنا عالمانہ وسعتِ نظر کے یکسر منافی ہے علاوہ بریں جو حضرات اس سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی کا نام لیتے ہیں انھیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے بانی بادشاہ بابر نے اپنے بیٹے ہمایوں کے نام جو وصیت نامہ لکھا ہے (اس وصیت نامہ کی نقل بھوپال کی اسٹیٹ لائبریری میں محفوظ ہے) اس میں جہاں اور باتیں لکھی ہیں یہ بھی تحریر ہے کہ "تمہیں گاؤکشی سے پرہیز کرنا چاہیے تاکہ اس کے ذریعہ تم کو لوگوں کے دل میں مقبولیت حاصل ہو اور اور اس طرح وہ تمہارے احسان مند و شکر گذار ہو کر تمہاری اطاعت کریں" یہ فراموش نہ کرنا چاہیے کہ بابر صرف ایک بہادر جرنیل اور سیاسی مدبر ہی نہیں تھا بلکہ بڑا خدا پرست اور شعائر اسلام کا احترام و ادب کرنے والا بھی تھا۔ اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ خود عالم تھا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس نے حنفی فقہ پر ایک کتاب مرتب کی تھی جس کی شرح اس عہد کے مشہور عالم شیخ زینی نے لکھی تھی جنہوں نے تزک بابری کا ترکی سے فارسی میں ترجمہ بھی کیا تھا علاوہ بریں بابر چونکہ علماء و فضلا کا بڑا قدردان تھا اس لئے ان حضرات کا اس کی مجلسوں میں جمگھٹا لگا رہتا تھا اس بنا پر یہ ظاہر ہے کہ اگر بابر کو علم ہوتا کہ گاؤکشی ہندوستان میں اسلامی شعار کی حیثیت اختیار کر گئی ہے تو ناممکن تھا کہ وہ ہمایوں کو اس کے بند کر دینے کی ہدایت کرتا۔ اب ایک طرف بابر کی وصیت اور دوسری جانب حضرت مجدد کا ارشاد ان دونوں کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ گاؤکشی بذات خود اسلام میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقصود نہیں ہے اور ہندوستان ایسے ملک میں اس کا اجرا اس پر موقوف ہے کہ اس سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہے یا نقصان؟ بابر کی حکومت نئی نئی قائم ہوئی تھی اور وہ بھی وادیٔ ہندوستان سے طے کرنے کے بعد اس کو اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لئے ہندوؤں کا اعتماد حاصل کرنا تھا اس بنا پر اس نے گاؤکشی کو بند کرنے کی وصیت کی لیکن اس کے برخلاف اکبری حکومت پر ہندو رنگ غالب آجانے کے باعث بادشاہ کا گاؤکشی کو ممنوع قرار دے دینا مسلمانوں کی ملی عظمت کو زک پہنچانا تھا اس لئے حضرت مجدد نے اس کو شعارِ ملی قرار دے دیا۔

اس سلسلہ میں ہمارے بعض علماء کبھی کبھی دبی زبان سے کہتے ہیں کہ جس علاقہ میں حالات سازگار نہ ہوں وہاں کے مسلمانوں کو قربانی گاؤ نہیں کرنی چاہئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ طریقہ سرتاسر غلط اور مسلمانوں کے لئے شدید مضر ہے کیونکہ اس کا نتیجہ ایک طرف تو یہ ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کو ان کی دلجوئی منظور نہیں ہے چنانچہ جس علاقہ میں وہ طاقتور ہیں وہاں کھلم کھلا قربانی گاؤ کرتے ہی ہیں کسی علاقہ میں اگر انھوں نے نہیں کی تو محض ڈر کے مارے نہیں کی نہ کہ ہندوؤں کے پاس خاطر سے اور دوسری جانب اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ کمزور علاقہ کے مسلمان اپنی بے بسی اور بے کسی کا احساس کرکے احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو ان کے قومی نشوونما کے لئے زہر ہلاہل سے کم نہیں اس بنا پر ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کو کسی خاص صوبہ، ضلع یا شہر کی بنیاد پر نہیں۔ بلکہ بھارت کے سب مسلمانوں کے اجتماعی مسئلہ کی حیثیت سے طے کیا جائے اور سب کے لئے ایک ہی حکم کا اعلان کیا جائے۔

سطور بالا میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا مقصد صرف مسئلہ کی تنقیح اور اس کے ہر پہلو کو روشن کرنا ہے اور بس، ہمارا منصب نہ فتوٰی کا ہے اور نہ یہ مسئلہ دو یا تین علماء کی رائے سے طے ہو سکتا ہے ضرورت ہے کہ جمعیۃ علماء اس کی طرف اقدام کرے اور غور و فکر کے بعد جو کچھ حق ہو

© rasailojaraid.com